اوسلو معاونت برائے آزادی مذہب / عقیدہ
نارویجی مرکز برائے حقوق انسانی، اوسلو یونیورسٹی

UiO : Norwegian Centre for Human Rights
University of Oslo

مساوات کے ذریعے انصاف

مسلم عائلی قوانین میں قانونی اصلاحات کے لئے مذہبی دلائل کی تشکیل

اوسلو معاونت کے مسلم عائلی قوانین منصوبے کا ایک جائزہ

اوسلو معاونت برائے آزادی مذہب /ا عقیدہ
نارویجی مرکز برائے حقوق انسانی، اوسلو یونیورسٹی
پوسٹ بکس۶۷۰۶، سینٹ اولواس پلاس
این او ۰۳۱۰، اوسلو
NO - 0130 OSLO

ای میل:
oslocoalition@nchr.uio.no

ڈیزائین: ملی میٹر پریس
سرورق تصویر: پیٹر سانڈرس

مساوات کے ذریعے انصاف

مسلم عائلی قوانین میں قانونی اصلاحات کے لئے مذہبی دلائل کی تشکیل

مسلم عائلی قوانین کے بارے میں اوسلو معاونت کے علمی اور تحقیقی منصوبے کا جائزہ

مئی ۲۰۱۳

ترتیب

کچھ اس جائزے کے بارے میں 5
خلاصہ 6
تمہید.. 8
مسلم عائلی قوانین: اختلاف رائے 10
قوامہ کا نظریہ: روایتی فقہ کے پس منظرمیں 13
عدل و انصاف کے بدلتے تصورات 16
عدل کی بدلتی سماجی شرائط 19
قانون میں تبدیلی کی گنجائش..21
کتب مقدسہ سے استنباط کے نئے اصول 24
اصلاح کے تین بنیادی اصول 28

کچھ اس جائزے کے بارے میں

اوسلو معاونت ایک بین الاقوامی رابطہ تنظیم ہے جس میں زندگی کے بارے میں مذہبی اور دیگر طرز فکر کی حامل جماعتوں سے وابستہ ماہرین، جامعات کے تحقیق و تدریس کے شعبوں سے اور غیر سرکاری تنظیموں، بین الاقوامی اداروں اور سول سوسایٹی سے منسلک خواتین و حضرات شامل ہیں۔ مجلس معاونت کا دفتر اوسلو یونیورسٹی میں قائم ہے جس کے اخراجات کے لئے مالی مدد ناروے کی حکومت فراہم کرتی ہے۔ یہ مجلس متعدد تحقیقی منصوبوں پر کام کر رہی ہے جن کا مقصد دنیا بھر میں مذہب /عقیدے کی آزادی کا فروغ ہے۔ ۲۰۰۴ سے اوسلو مجلس معاونت ''فکر اسلامی میں نئ جہات'' کے نام سے ایک علمی اور تحقیقی منصوبے پر کام کر رہی ہے۔اسلامی روایت کے اندر رہتے ہوے اصلاح کی کوششوں کو جن شدید مشکلات کا سامناہے ان پر مجلس نے چھ بین الاقوامی ورکشاپس کا اہتمام کیا اور ان کے نتائج بحث کو ''اسلامی فکر کی نئی جہات''[1] اور ''مسلم عائلی قوانین میں صنف اور مساوات''[2] کے عنوان سے مندرجہ ذیل دو کتابوں میں شائع کیا۔

اس منصوبے کے زیر اہتمام ۲۰۰۷-۲۰۱۲ کے دوران مختلف تخصّصات کے حامل مسلم ماہرین کو مسلم عائلی قوانین میں صنفی مساوات پر بحث اور تحقیق کی دعوت دی گئی۔ ان میں دینی علوم کے ماہر بھی تھے اور سماجی، انسانی اور قانونی علوم کے ماہرین بھی۔ غیر سرکاری تنظیموں کے لوگ بھی تھے اور سماجی کارکن بھی۔ان سب میں قدر مشترک اس بات کا پختہ عزم تھا کہ عدل و انصاف کے جدید مفہوم کے مطابق مسلم عائلی قوانین میں اصلاح کے لئے اسلامی روایت سے رشتہ قائم رکھناضروری ہے۔ ہم نے مراکش اور قاہرہ میں تین مذاکرات منعقد کئے جن پر مبنی ۲۰۱۳ میں شائع کتاب ''مسلم عائلی قوانین میں صنف اور مساوات'' کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی۔ اس کتاب کا جائزہ آپ کے سامنے ہے۔

اس جائزہ کا مقصد پالیسی ساز ماہرین اور اداروں کے ساتھ ساتھ اصلاحات کی دعوت اور جدو جہد میں شریک خواتین اور حضرات کو قانونی اصلاحات کے حق میں علمی اور عملی دلائل اور معلومات مہیا کرناہے۔ ہم نے اس جائزے میں ماہرین کے تجربات اور مصنفین کی تحریروں کا نچوڑ پیش کردیاہے۔ مرتبین نے پوری کوشش کی ہے کہ کتاب کے کلیدی دلائل کو مختصر اور مربوط انداز میں آپ کے سامنے رکھ دیا جائے۔

ہم نے اس جائزے میں مختلف آراء اور مباحث کو اتفاق رائے کی شکل دینے کی کوشش نہیں کی۔ مصنفین اپنی آرا کے خود ذمہ دار ہیں۔ ان پر نہ دوسروں کی آراء کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور نہ ہی وہ ان ممکن اغلاط کے لئے جواب دہ ہیں جو اس جائزے کی ترتیب و تلخیص اور ان کی تحقیق کو کسی مخصوص زاویے سے پیش کرنے سے پیدا ہوئی ہوں۔ماہر شرکا کے علمی استدلال، نتائج، اور ان کے مستند حوالوں اور مآخذ کے تفصیلی مطالعہ کے لئے کتاب ''مسلم عائلی قوانین میں صنف اور مساوات'' کے متعلقہ باب اور بنیادی مصادر کی طرف رجوع فرمائیں جو ہر فصل میں ''مزید مطالعہ'' کے عنوان سے درج ہیں۔

زیبا میر حسینی
کاری ووگٹ
لینا لارسن
کرسچن مو

[1]Kari Vogt, Lena Larsen and Christian Moe (Eds.), New Directions in Islamic Thought. (London: I. B. Tauris, 2009)

[2]Ziba Mir-Hosseini, Kari Vogt, Lena Larsen and Christian Moe, (Eds.), Gender and Equality in Muslim Family Laws (London: I. B. Tauris, 2013)

خلاصہ

مسلم عائلی قانون انتہائی حساس اور متنازعہ موضوع ہے۔ ماضی قریب میں اگرچہ اکثر مسلم ممالک نے بین الاقوامی قانونی ذمہ داریوں کو نباہتے ہوئے خواتین کے مساویانہ حقوق کے فروغ کے لئے اقدامات اٹھائے ہیں لیکن حالیہ چند دہائیوں میں ریاست اور قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے سیاسی دباؤ بڑھا تو اس کی وجہ سے نئے امتیازی قوانین کا اجرا عمل میں آیا۔ تاہم اسی زمانے میں مراکو میں عائلی قوانین کے مدونہ ۲۰۰۴ کے عنوان سے ایک اصلاحی کوشش بھی کامیابی سے ہم کنار ہوئی۔ یہ مدونہ جو اسلامی مصادر اور بین الاقوامی انسانی حقوق پر مبنی ہے اس بات کا ثبوت ہے کہ قانون میں اصلاح کے ذریعے صنفی مساوات کا ہدف حاصل کرنا ممکن ہے۔

مسلم عائلی قانون صدیوں پہلے کے معاشروں کے جن قانونی تصورات پر مبنی ہے وہ آج کی دنیا سے مطابقت نہیں رکھتے۔ فقہا جس طریقے سے شرعی حکم کا سبب یا علت بیان کرتے ہیں وہ صنفی مساوات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ قدیم مسلم فقہا خاوند پر بیوی بلکہ پورے خاندان کے نان نفقہ کی ذمہ داری کا دارو مدار بیوی کی اطاعت پر بتاتے ہیں۔مرد کے نگران یا ولی ہونے کی جو توجیہہ فقہا بیان کرتے ہیں وہ بھی اسی طرح متنازعہ ہے۔ یہی دونوں توجیہات فقہ اسلامی کے قوامہ اور ولایہ کے قانونی نظریے کی بنیاد ہیں۔

عدل اسلام کی بنیادی قدر ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں کے ذہن میں عدل کا مفہوم بدل گیا ہے۔مسلم عائلی قانون کے بارے میں اختلاف کا سبب یہی دو نظریات ہیں جو بنیادی طور پر عدل سے متضاد ہیں۔ایک عدل کا سماجی درجہ بندی کا نظریہ ہے جو جدید دور سے پہلے قانونی قاعدوں میں اور قدیم فقہی احکام میں ملتاہے۔ اس اصول کی رو سے صنف اور مرتبے کے حوالے سے امتیاز کو قانونی جواز فراہم کیا جاتا تھا اور دوسرا عدل کا جدید مفہوم ہے جو مساوات پر مبنی ہے۔

سماجی حقائق بدل چکے ہیں۔قبائلی معاشروں میں انصا ف کی فراہمی کے لئے نسب کی بنیاد پر درجہ بندی کے جو قانونی حل بنائے گئے تھے وہ آج کی دنیا میں خاتون کو انصاف نہیں دلاسکے جو مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہے۔ جدید قومی ریاست میں مرد اور عورت دونوں کو برابر کے شہری کے مکمل حقوق حاصل ہیں۔

جو لوگ صنفی امتیاز پر مبنی عائلی قوانین کے نفاذ کی حمایت کرتے ہیں ان کا دعوی ہے کہ فقہی احکام کی تمام دفعات اللہ کی نازل کردہ ہیں اس لئے ان کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور مسلمان ان پر عمل کے پابند ہیں۔تاہم جدید قانونی ضابطوں اور فقہا کے احکام میں، اللہ کی نازل کردہ شریعت (راستہ) اور انسانوں کی مرتب کردہ فقہ (فہم شریعت) میں، انسانوں کے مابین معاملات اور عبادات کے قواعد اورقانون کی نوعیت میں، اور مقاصد شریعت کے مختلف مدارج میں بہت فرق ہے۔ مسلم علما نے اس فرق کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔اسلامی قانون میں فرق کے ا ن چارپہلوؤں کی بنیاد پر علما نے اس بات پر زور دیا ہے کہ عائلی قوانین انسانوں

کے بنائے ہوے ہیں اور یہ بدلتے سماجی حالات او مذہبی نصوص کے فہم میں اختلاف کی روشنی میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔

علما اور فقہا ا سلام کی مقدس نصوص، قرآن مجید اور سنت نبویہ کی تعبیر ہمیشہ اپنے عہد کے سماجی حالات، متفقہ مسلمات اور انصاف کے فہم کی روشنی میں کرتے آئے ہیں۔ فہم کے یہ سارے اصول وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ جیسے کہ اب حقائق اور انصاف کے تصورات میں بنیادی تبدیلیاں آئی ہیں تو ان کا احساس رکھنے والے مسلمان آج ان نصوص کا ازسرنو مطالعہ کر رہے ہیں اور اسلام کی اخلاقی اور مساویانہ تعلیمات کی روشنی میں روایتی قوانین کی کمزوریوں کی نشاندہی کر رہے ہیں تاکہ آج پھر سے مرد و زن کے مابین مساوات اور انصاف کے پیغام کو فروغ دیا جائے۔

دین اور مساوات کے درمیان بظاہر تضاد کو دور کرنے اور مذہبی اور سیکولر گروہوں میں موجود خلیج کو پاٹنے کے لئے بہت سی مسلم خواتین سر گرم عمل ہیں۔ خواتین کی یہ تحریکیں بیک وقت مذہب، حقوق، اور خواتین کی حقیقی زندگی کے مسائل اور قانونی اصلاحات پر تین حوالوں سے کام کر رہی ہیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلم روایت میں اختلاف رائے کا حق مو جود ہے اور اس کی کی روشنی میں وہ اپنے جائز مقام کا مطالبہ کر رہی ہیں۔

تمہید

جدید تحقیقات میں اس بات پر زور دیاگیا ہے کہ اسلامی قانون کی روایت میں شریعت اور فقہ میں فرق کیا جاتا رہاہے۔ اسی طرح مذہبی امور میں دوقسم کی تعبیرات موجود رہی ہیں۔ ایک وہ جو پدر سری معاشرت کی حمایت کرتی ہیں، دوسری وہ تعبیرجو مساوات کے اصول کی حامی ہیں۔ تازہ تحقیقات کی رو سے ایک اچھی مسلمان اور خواتین کے حقوق کے لئے فعال لوگوں میں فرق کا ذکر بھی کرتی ہیں۔

مثلاً مندرجہ ذیل دو اقتباسات کا موازنہ کیجئے:

شریعت کی مبادیات کی بنیاد حکمت پر اور بنی نوع انسانی کی زندگی میں دنیا اور آخرت کی بھلائی کے فروغ پر ہے۔شریعت انصاف، نرمی، مصلحت اور عقل پر مشتمل ہے۔جو قانون انصاف سے ہٹ کر ناانصافی پر مائل ہو، نرمی کی جگہ سختی اختیار کرے، مصلحت کی بجا ئے نقصان پہنچائے یا عقل کی جگہ جہل کی راہ اختیار کرے وہ شریعت کا حصہ نہیں ہو سکتا۔

خاوند کے ہاتھوں میں بیوی کی حیثیت قیدی کی ہے۔قیدی کی حالت غلام سے قریب ہوتی ہے۔رسول اللہ نے مردوں کو ہدایت کی کہ وہ بیویوں کو اچھی طرح رکھیں۔ ان کو وہی کھلائیں جو خود کھاتے ہیں اور ان کو وہی پہنائیں جو خود پہنتے ہیں۔یہی ہدایت انہوں نے غلاموں سے سلوک کے بارے میں بھی کی۔

یہ دونوں عبارتیں ایک ہی مصنف ابن قیم الجوزیہ (۱۲۹۲-۱۳۵۰) کی تحریر کردہ ہیں۔لیکن آج کے قاری کی نظر میں دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بیوی کے لئے خاوند کی قیدی ہونے کا تصوراس قانون کا حصہ کیسے ہو سکتا ہے جو انصاف، رحم دلی، اور عقل سے کام لینے کی ہدایت کرتا ہو۔ اس بظاہر تضاد کی ایک ہی توجیہ ہو سکتی ہے کہ پہلا اقتباس شریعت کے خدائی قانون کے تصور کو بیان کرتا ہے تو دوسرا اقتباس یہ بتاتا ہے کہ قرون وسطی میں فقہا نے اس قانون کو کیسے سمجھا۔

بعض مسلمان ابن قیم کے شریعت کے اس تصور کو اپناتے ہوے اس کی حمایت کرتے ہیں کہ شریعت انصاف، مصلحت اور عقل کے اصولوں کی ابدیت پر زور دیتی ہے۔ لیکن انہیں نکاح کے بارے میں ابن قیم کی رائے ناقابل فہم لگتی ہےکیونکہ اس میں شریعت کے انصاف کا تصور بالکل نہیں جھلکتا ۔اس رائے کا عقلی دفاع ممکن نہیں۔

آج جب مسلم خواتین یہ مطالبہ کرتی ہیں کہ قومی عائلی قوانین میں اصلاح کی جائے کیونکہ یہ قدیم فقہ کی پیروی پر مبنی ہونے کی وجہ سے صنفی امتیاز کے حامل ہیں تویہ مطالبہ شریعت اور فقہ کے مابین اسی تناؤ کے حوالے سے کیا جا رہا ہے۔ بطور مسلمان ان خواتین کا عقیدہ ہے کہ انصاف اور مساوات اسلام اور شریعہ کا جزو لاینفک ہیں اسی لئے وہ پوچھتی ہیں کہ یہ انصاف عائلی قوانین میں کیوں نظر نہیں آتا؟ عدل و انصاف کو کیسے ان قوانین کا حصہ بنایا جاسکتا ہے؟ کیا اسلام سے روگردانی کئے بغیر مسلم خواتین قانون کی نظر میں مردوں کی برابری کا مطالبہ کر سکتی ہیں؟

ان سوالات کے جواب میں اسلامی روایات کی بنیاد پر اور عدل و انصاف کے جدید تصورات اور خواتین کی سماجی زندگی کے حقائق کو سامنے رکھتے ہوے مسلم محققین نے حال ہی میں جو کچھ لکھا ہے اس کتابچے میں ان تحریروں کے اہم نکات پر بحث کی گئی ہے۔یہ تحریریں مسلم عائلی قوانین پر حالیہ مباحثے کے گہرے مطالعے پر مبنی ہیں اور اس مطالعے کی روشنی میں ان قوانین کی اصلاح کے لئے مؤثر علمی دلائل مہیا کرتی ہیں ۔

مزید مطالعہ کے لئے:

- Ziba Mir-Hosseini, "Justice, Equality and Muslim Family Laws"; and editors "Introduction"; in Gender and Equality in Muslim Family Law (London: I. B. Tauris, 2013).
- پہلا اقتباس ابن قیم الجوزیہ کی کتاب اعلام الموقعین عن رب العالمین، اور دوسرا اقتبا س مندرجہ ذیل کتاب سے ہے:

Yossef Rapoport, Marriage, Money and Divorce in Medieval Islamic Society (Cambridge: Cambridge U. Press, 2005).

مسلم عائلی قوانین : اختلاف رائے

عائلی قوانین کا موضوع حساس بھی ہے اور روایتی فقہ کی اصطلاح میں مختلف فیہ بھی ہے۔ اگرچہ اکثر مسلم ممالک نے خواتین کے لئے مساوی حقوق کے قانونی نفاذ کی ذمہ داری لی ہوئی ہے لیکن پچھلی چند دہائیوں میں ریاست اور قوانین کو اسلامیانے کی سیاسی تحریکوں کے دباؤ کی وجہ سے نئے امتیازی قوانین کا اضافہ ہوگیا ہے۔تاہم اسی عرصے میں مراکو مدونہ عائلی قوانین ۲۰۰۴ کے اجراء سے قانونی اصلاحات کے ذریعے صنفی مساوات کے حصول کے امکانات بھی واضح ہوئے ہیں۔ یہ اصلاحات اسلامی اور بین الاقوامی انسانی حقوق دونوں مصادر پر مبنی ہیں۔

عائلی قوانین کا تعلق مردوں، عورتوں اور بچوں کے مابین قرابت داری کے قواعد و ضوابط سے ہے اس لئے یہ ہمیشہ سے حساس موضوع رہا ہے۔بہت سے ملکوں میں یہ قانون کاوہ واحدمیدان بھی ہے جس کا فقہ کے روایتی مذہبی قانون سے گہرا رشتہ ہے۔ چنانچہ یہ قانون مسلمانوں کے اجتماعی تشخص کی علامت بن گیا ہے۔ ان قوانین پر بیرونی تنقید کے بارے میں مسلمانوں کا حساس ہونا قابل فہم ہے۔کیونکہ مسلمان کلام الٰہی کے ظاہری معنی کے مخالف اصلاحات کو بھی تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

تاریخی طور پر مسلم عائلی قوانین میں اختلاف رائے ہمیشہ موجود رہا ہے۔ اس اختلاف کا سبب فقہی مذاہب بھی ہیں اور مقامی رواج اور عرف بھی۔ انہی بنیاد وں پر مفتی اور قاضی اپنے زمانے اور علاقے کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کرتے تھے۔آج مختلف مسلم ممالک کے مابین ان قوانین میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ ایک جانب تونس کا ترقی پسند ضابطہ ہے جس میں بیک وقت ایک سے زیادہ شادیوں اور یکطرفہ طلاق کو ۱۹۵۰ میں ممنوع قرار دے دیا گیا تھا، دوسری طرف سعودی عرب ہے جہاں حنبلی فقہ کا قدیم مذہب نافذ ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسلم ممالک میں جزوی تبدیلیوں کا عمل بھی جاری رہا۔مثلاً ایران میں ۱۹۲۹ میں بیوی کو طلاق کے بعد گھر کے کام کاج کا معاوضہ طلب کرنے کا حق دیا گیا۔مصر میں ۲۰۰۰ میں طلاق کے قوانین میں اصلاحات کے ذریعے عورت کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنے معاشی حقوق سے دستبرداری کے عوض خاوند کی رضامندی کی شرط کے بغیر طلاق حاصل کرسکے۔

۱۹۷۰ کے بعد دو ایسے قانون سامنے آئے جو باہم متضادہیں لیکن عالمی قانون سازی پر ان کے بہت اہم اثرات پڑے۔ پہلا قانون ٹسدا[1] ہے جو ۱۹۷۹ میں اقوام متحدہ کے خواتین کے اجلاس میں طے پایا۔ اس کے نتیجے میں خواتین کے مساوات کے حق کو بین الاقوامی قوانین کا لازمی حصہ بنا دیا گیا۔ اس بین الاقوامی قانون پر چند مسلم ممالک کے علاوہ سب ملکوں نے دستخط کئے ہیں۔ دوسری قانونی پیش رفت کا تعلق مسلم ممالک میں ان سیاسی تحریکات سے ہے جو ریاست اور قوانین کو اسلامیانے کا مطالبہ کررہی ہیں۔ان تحریکوں کے زیر اثر جو قانون سازی ہوئی اس سے مساوات کے لئے خواتین کی جدو جہد کو سخت دھچکا پہنچا۔ ایران کے عائلی قوانین میں جو اصلاحات ہو چکی تھیں ۱۹۷۹ کے انقلاب کے بعد انتہائی ڈرامائی انداز میں ان اصلاحات کو منسوخ کر دیا گیا۔

دوسرے ممالک میں بھی خواتین کو جو حقوق حاصل تھے ان میں ترمیمات کر دی گئیں یا ان کی جگہ نئے قوانین کا اجرا کر دیا گیا۔ مثلاً ۱۹۹۰ کے بعد ملایشیا میں حکمران جماعت اور حزب مخالف اسلامی پارٹی نے مل کر مذہبی بنیادوں پر عوامی حمایت حاصل کرنے کی دوڑ میں طلاق کے قوانین میں ایسی اصلاحات کیں جن کی وجہ سے مردوں کے لئے بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرنا آسان ہو گیا۔ ملایشیا میں مسلم تنظیمات نے جن میں سسٹرز ان اسلام پیش پیش رہیں ان قوانین کے خلاف آواز اٹھائی۔ ان کا اعتراض تھا کہ یہ

[1](CEDAW)

قوانین مذہب کے نام پر خواتین کے خلاف امتیازی سلوک کو جواز فراہم کر رہے ہیں۔ عائلی قوانین میں اصلاحی اقدامات میں تاخیر کی وجہ سے پہلے ہی ایسی خرابیاں پیدا ہوچکی تھیں کہ یہ قوانین معاشرتی تبدیلیوں کے ساتھ بدلتے زندگی کے حقائق سے بہت دور ہو چکے تھے۔مروہ شرف الدین مصر میں غیر ریاستی خواتین کے اداروں کے مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہیں کہ خواتین کی اکثریت کو شکایت ہے کہ عورت جن اسباب اور قانونی وجوہات کی بنیاد پر طلاق حاصل کر سکتی ہیں وہ بہت محدود ہیں اور عدالت میں ان کو ثابت کرنا بے حد مشکل بھی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عدالتیں خواتین کے دائر کردہ طلاق کے مقدمات کا فیصلہ کرنے میں سات سال تک کا عرصہ لگا دیتی ہیں۔ خاوند نفقہ (گھر کے اخراجات) ادا نہیں کرتے لیکن اس کے بارے میں بہت کم مقدمات دائر ہو پاتے ہیں۔ اور عدالت فیصلہ دے بھی دے تو اس کا نفاذ شاذ و نادر ہو تا ہے۔ بیوی طلاق یا تفریق کی درخواست دے تو خاوند کی اطاعت کے قانون سے ناجائز فائدہ اٹھاکر خاوند بیوی کو بہت سے حقوق سے محروم کر سکتے ہیں۔ بیوی کو بچے کی حضانت کا حق مل بھی جائے تب بھی عورت معاشی مشکلات سے دو چار رہتی ہے۔

مراکو: دائمی نابالغی سے خاندانی جائداد کی نظامت تک کا سفر

مراکو میں حالیہ پیش رفت سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ تبدیلی بہر کیف ممکن ہے۔۲۰۰۴ میں مراکو کے عائلی قوانین کے ضابطے مدونہ میں صنفی مساوات کے سلسلے میں اہم اقدامات اٹھائے گئے ہیں۔ عائشہ الحجامی نے بیان کیا کہ ۱۹۵۸ کے مدونہ میں دراصل عورت کو دائمی نابالغ قرار دے دیا گیا تھا۔ نکاح کے وقت تک وہ اپنے باپ کی محتاج تھی جو اس کا ولی تھا۔شادی کے بعداس پر خاوند کی فرمانبرداری لازم تھی جس کی وجہ سے وہ نفقہ کی مستحق بنتی تھی، خاوند کو ایک سے زیادہ شادیوں اور یکطرفہ طلاق کا حق تھا۔ بیوی کو عدالت کے ذریعے طلاق کا حق تو تھا لیکن محدود اسباب کی بنیاد پر اور وہ بھی ثبوت مہیا کرنے پر۔وہ خلع کے ذریعے بھی علیحدہ ہو سکتی تھی لیکن اس کے لئے شرط تھی کہ وہ خاوند کو اس علیحدگی کا مالی معاوضہ ادا کرے۔اکثر خاوند اس سے فائدہ اٹھاتے ہوے بیوی پر دباؤ ڈالتے تھے کہ وہ اپنے تمام حقوق سے دست بردار ہو جائے، حتیٰ کہ اسے بچوں کو پاس رکھنے کے حق سے بھی محروم کیا جاتا تھا۔ طلاق کے بعد ماں اپنے بچوں کو اس شرط پر پاس رکھ سکتی تھی کہ وہ دوسری شادی نہیں کرے گی اور باپ کے گھر سے دور جا کر نہیں رہے گی۔

اب ان امور میں مرد اور عورت دونوں کے لئے شادی کی عمر اٹھارہ سال مقرر کر دی گئی ہے۔ قانونی لحاظ سے بالغ خاتون کے لئے شادی بیاہ کے معاملات میں ولی کا ہونا لازمی نہیں ۔البتہ خاتون ضروری سمجھے تو ولی کو اختیار دے سکتی ہے۔ مرد کے لئے ایک سے زیادہ شادی پر سخت پابندیا ں لگا دی گئی ہیں۔ صرف عدالت ان کی جانچ پڑتال اور فیصلہ کر سکتی ہے۔ طلاق کا حق عدالت کی نگرانی میں خاوند اور بیوی دونوں کو دے دیا گیاہے۔ طلاق کی صورت میں بیوی کو شادی کے دوران حاصل کئے اثاثوں میں سے اپنے حصے کے مطالبے کا حق بھی دیا گیا ہے۔

۴۰۰۲ میں قانون میں اصلاح کے بعد خاندانی معاملات کی ذمہ داری مشترکہ قرار دی گئی ہے، خاوند اور بیوی دونوں برابر کے ذمہ دار ہوں گے۔

یہ اصلاحات ایک ایسے جمہوری عمل کا نتیجہ ہیں جس کا آغاز امیر المؤمنین نے کیا، ان اصلاحات کی تائید میں ترقی پسند علما نے کتب مقدسہ سے استدلال پیش کیا، اور ساتھ ساتھ خواتین کی تنظیمات نے بین الاقوامی انسانی حقوق اور جدید مراکو کی معاشرت کے تقاضوں کے حوالے سے ان کی حمایت کی۔ حالیہ علمی تجزیات نے نشان دہی کی ہے کہ ان قوانین میں اب بھی کئی خامیاں ہیں اور ا ن کا نفاذ بھی تسلی بخش نہیں۔ تاہم یہ قانون مرد اور عورت کی قانونی مساوات کی طرف پیش قدمی کی ایک نمایاں مثال ہے۔

مزید مطالعہ کے لئے

- On Morocco: Aïcha El Hajjami, “The Religious Arguments in the Debate on the Reform of the Moroccan Family Code
- On Malaysia: Zainah Anwar, “From Local to Global.
- On Egypt: Marwa Sharafeldin, “Egyptian Women's Rights NGOs”; and Mulki al-Sharmani, “Qiwama in Egyptian Family Laws”.

مندرجہ بالا تمام مقالات صنف اور مساوات مطبوعہ ۲۰۱۳ میں شامل ہیں مسلم عائلی قوانین کی تفصیلات اور دنیا بھر میں ان میں حالیہ اصلاحات پر تبصروں کے لئے ملاحظہ ہوں

- Abdullahi A. An-Na‘im, Islamic Family Law in a Changing World: A Global Resource Book (London and New York: Zed Books, 2006).
- ‘‘Knowing Our Rights: Women, Family, Laws and Customs’’ in the Muslim World (Women Living Under Muslim Laws, 2006). http://www.wluml.org/node/588.
- Lynn Welchman, Women and Muslim Family Laws in Arab States: A Comparative Overview of Textual Development and Advocacy (Amsterdam University Press, 2007).

قوامہ کا نظریہ: روایتی فقہ کا پس منظر

مسلم عائلی قوانین کی عمارت ماضی کے معاشروں کے بنائے ا یسے تصور قانون کی بنیاد پر قائم ہے جو آج کے تصورات سے بہت مختلف تھا۔گھر کے اخراجات کے لئے مرد کی ذمہ داری اورعورت کے لئے خاوند کی فرمانبرداری کو جس متنازعہ طریقے سے لازم و ملزوم قراردیا گیا ہے وہ صنفی مساوات کے حصول کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا ہے۔

آج کے مسلم عائلی قوانین زیادہ ترروایتی فقہ سے مطابقت پر مبنی ہیں۔ فقہ در حقیقت نصوص کی تعبیر میں علماء کی ان کوششوں سے عبارت ہے جو انہوں نے اللہ کا قانون سمجھنے کے لئے انجام دیں۔ سورہ النساء کی آیت ۳۴ ان کوششوں کی ایک مثال ہے (دیکھئے شکل نمبر ا)۔ تاہم ان نصوص کی تعبیر کے لئے اکثر اصول جن پر آج بھی عمل ہو رہا ہے وہ صدیوں پہلے ان علما کے وضع کئے ہوے ہیں جو پدر سری، بلکہ عموماً قبائلی معاشرت میں رہتے تھے جہاں غلامی کا رواج تھا۔ یہ اس سائنسی اور صنعتی انقلاب سے پہلے کا زمانہ تھا جس نے مرد وں اور عورتوں کی زندگیاں بدل دی ہیں۔روایتی فقہ کی تشکیل میں تاریخ کا بڑا ہاتھ ہے۔ یہ ایسے سماجی حالات میں پلی بڑھی ہے جو آج بدل چکے ہیں۔

فقہ کے عائلی قوانین تعداد میں بھی زیادہ ہیں اوربہت تفصیلی بھی۔ یہ جاننے کے لئے کہ وہ ایک دوسرے سے کس طرح مربوط ہیں اور صنفی امتیاز کیسے ان فقہی قوانین کی تشکیل کا بنیادی عنصر ہے عورت کے لئے مرد کے نگران ہونے کے تصور کا مطالعہ بہت اہم ہے۔ بیوی کے لئے خاوند کی قوامیت اور شادی بیاہ میں عورت کے لئے بزرگ مرد رشتہ دار کے ولی ہونے کے فقہی قانون کا تجزیہ بہت ضروری ہے۔

زیبا میرحسینی کے بقول روایتی فقہ میں پدرسری خاندان کے تصور کو مثالی قرار دینے کی اصل بنیاد قرآنی آیت (النساء: ۳۴) کی یہ تفسیر ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم (قوام) بنائے گئے ہیں ۔ آج کے دور میں صنفی مساوات کے حصول میں یہ تفسیر سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ویسے تومسلم قوانین کے تمام معاملات میں جن کا صنفی حقوق سے تعلق ہے یہی اصول کارفرما نظر آتا ہے۔البتہ نکاح کے انعقاد کے بارے میں قدیم فقہا نے جو قاعدے بنائے ان میں یہ اصول بہت واضح دکھائی دیتا ہے۔

نکاح کا معاہدہ خرید و فروخت کے معاہدے سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے بیوی کا اولین قانونی فریضہ خود کو خاوند کے سپرد کر دینا ہے۔ اس کے بدلے میں نفقہ یا گھر کے اخراجات مہیا کرنا خاوند کا فرض اور بیوی کا حق ہے ۔ یہی لین دین نکاح کے معاہدے کی بنیاد ہے۔ چنانچہ اگر بیوی نافرمانی کا ارتکاب کرے تو نفقہ کا حق کھو بیٹھتی ہے۔

قوامہ کا یہ نظریہ دوسرے معاملات میں بھی عدم مساوات کی عقلی اور قانونی بنیاد بن چکا ہے۔ خاص طور پر مرد کو ایک سے زیادہ شادیوں اور یکطرفہ طلاق کا حق دینے کا جواز یہی نظریہ ہے۔ مرد کے مقابلے میں عورت کو وراثت میں کم حصہ دینے کو اسی لئے جائز قرار دیا جاتا ہے کہ مرد عورتوں کا نفقہ اورگھر کے اخراجات مہیا کرتا ہے۔اسی بنیاد پر عورتوں کے لئے قاضی کا تقرر یا سیاسی سربراہی ممنوع ہے۔اس کی توجیہہ یہ کی جاتی ہے کہ عورتیں اپنے خاوندوں کی ماتحت ہیں، وہ اپنے معاملات میں آزاد نہیں اس لئے اگر انہیں اختیار دیا جائے تو وہ غیر جانبدار انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر سکتیں۔

ایک جانب تو مسلم عائلی قوانین کے تمام ضابطے ان

تصورات سے جڑے ہیں (دیکھئے شکل نمبر ۱) اور دوسری جانب قرآنی آیات کی تفسیر کا سرچشمہ بھی عورت کی فطرت اور استعداد کے بارے میں پدر سری کے تصورات ہیں جو قدیم فقہ کے بنیادی مسلمات بن گئےہیں۔ درحقیقت پدر سری کے تصورات فقہ اسلامی کے بنائے ہوئے نہیں ہیں۔ اس زمانے میں غیر مسلم معاشروں میں بھی عورت کے بارے میں یہی مسلمات تھے۔

اس [قوامہ کے نظریے] کی بنیاد پر عورتوں کے لئے قاضی کا تقرر یا سیاسی سربراہی ممنوع ہے۔ اس کی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ عورتیں اپنے خاوندوں کی ماتحت ہیں، وہ اپنے معاملات میں آزاد نہیں اس لئے اگر انہیں اختیار دیا جائے تو وہ غیر جانبدار انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر سکتیں۔

آج کے دور میں قوامہ کے فقہی نظریے کو ''سماجی تشکیل'' کے حوالے سے بہتر سمجھا جا سکتا ہے۔سماجی تشکیل کا مطلب ایسا نظریہ ہے جو بظاہر بدیہی حقیقت لگتا ہے لیکن یہ در اصل مخصوص ثقافتی اور سماجی سیاق و سباق کے زیر اثر انسانی تعبیر اور اس پر سماجی عمل سے وجود میں آتا ہے۔اس سماجی سیاق میں جہاں یہ ظہور میں آیا معاشرہ عدل و انصاف پر مبنی دکھائی دیتا تھا۔لیکن آج معاشرہ بہت تبدیل ہو چکا ہے اور عدل اور انصاف کا تصور بھی بدل گیا ہے۔

شکل نمبر ۱ نظریہ قوامہ: پدر سری مسلم عائلی قوانین کا بنیادی اصول

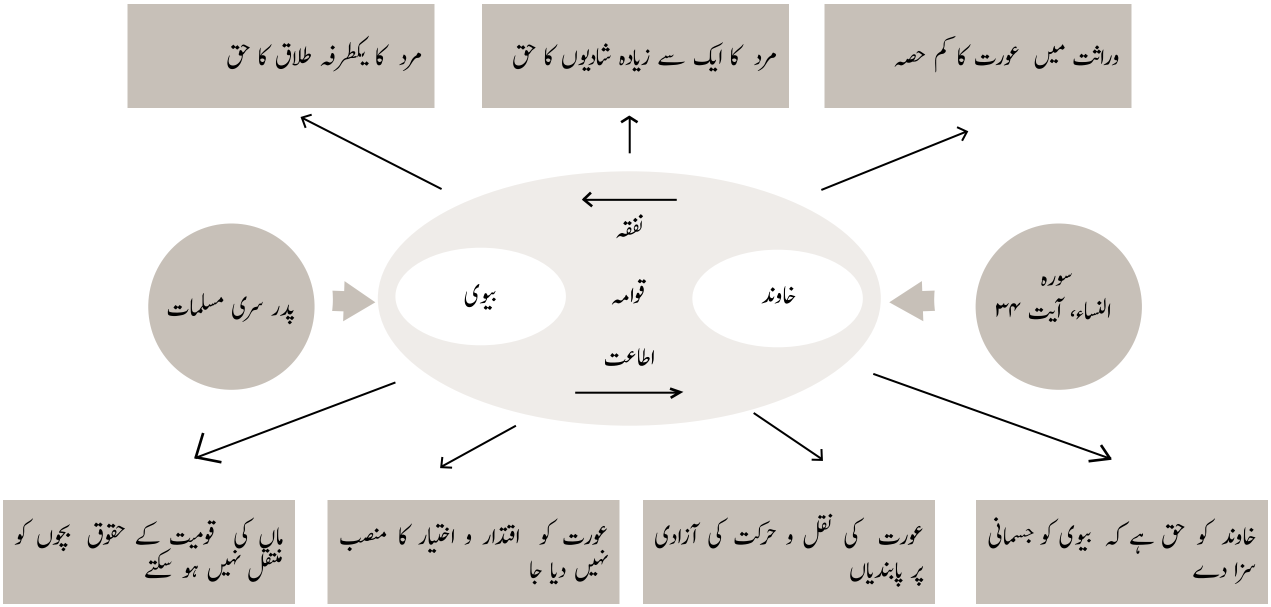

مزید مطالعہ کے لئے

- Ziba Mir-Hosseini, "Justice, Equality and Muslim Family Laws", in GEMFL.

SEE ALSO:

- Ziba Mir-Hosseini, "The Construction of Gender", Hawwa 1 (2003): 1; Mir-Hosseini, "Tamkin: Stories from a family court in Iran", in *Everyday Life in the Muslim Middle East*, eds Donna Lee Bowen and Evelyn A. Early, 136-150 (Bloomington: Indiana University Press, 2002)
- Kecia Ali, *Sexual Ethics and Islam: Feminist Reflections on Quran, Hadith and Jurisprudence* (Oxford: Oneworld, 2006).
- Manuela Marin, "Disciplining Wives: A Historical Reading of Qur'an 4:34", *Studia Islamica* 98 (2003), 5-10.
- Amina Wadud, *Inside the Gender Jihad: Women's Reform in Islam* (Oxford: Oneworld, 2006), chapter 6, 187-216, "Qur'an, Gender, and Interpretive Possibilities".
- Sa'diyya Sheikh, "Exegetical Violence: Nushuz in Quranic Gender Ideology", *Journal for Islamic Studies* 17 (1997), 49-73.

خانہ نمبر ۱: صنفی درجہ بندی کی حمایت میں پیش کی جانے والی مخصوص قرآنی آیات

قرآن مجید میں مندرجہ ذیل معدودے چند آیات کوصنفی امتیاز کے بنیادی اصول کی دلیل بنایا جاتا ہے: البقرہ: ۲۲۳-۲۲۲، ۲۲۸ النساء:۳۲، ۳۴؛ الزخرف:۱۹-۱۶

خاوند کے ''قوام'' ہونے کے بارے میں سورہ النساء کی آیت ۳۴ کو منصوص دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں ''قوامون''کے الفاظ کا ذکر ہے جن سے عام طور پر عورت پر مرد کا اقتدار مراد لیا جاتا ہے۔

عورتوں کے معاملات میں مرد قوام (محافظ، رکھوالے) ہیں۔اس وجہ سے کہ اللہ نے بعض کو دوسروں سے زیادہ مرتبہ دیا ہے اور اس لئے کہ وہ اپنی کمائی میں سے خرچ کرتے ہیں۔ نیک عورتیں قانتات (فرمانبردار) ہوتی ہیں۔ وہ ان دیکھے کی ایسے حفاظت کرتی ہیں جیسے اللہ حفاظت کرتا ہے۔ ایسی عورتیں جن کے نشوز (نافرمان ہونے) کا اندیشہ ہو، ان کو تنبیہ کرو، انہیں ان کی خوابگاہ میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو (اضربوھن)۔ اگر وہ فرمانبرداری کریں تو ان کے خلاف کوئی کاروائی نہ کرو۔ بے شک اللہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے (انگریزی ترجمہ کیشا علی ،اردو ترجمہ خالد مسعود)

سورہ النساء کی مندرجہ بالا آیت نیک عورت کے ''قانت''ہونے کی بات کرتی ہے۔ عام طور پر ''قانت'' کا ترجمہ فرمانبردار کیا جاتا ہے۔ آیت یہ بھی بتاتی ہے کہ نافرمان عورت سے کیا سلوک کیا جائے۔ اسے مثالی عائلی زندگی کے اصول کی بجائے قبائلی معاشرت میں عائلی زندگی میں تنازعہ کے حل کی نصیحت بھی سمجھا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ اگلی آیت ۳۵ میں یہ نصیحت مساویانہ حیثیت سے علیحدگی (طلاق) کے موضوع کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

اگرچہ قرآن کریم میں ولی کا لفظ متعدد مرتبہ اور مختلف معنوں میں بیان ہوا ہے لیکن مندرجہ ذیل آیات میں بھی جنہیں فقہا ولی نکاح کی ضرورت کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اس لفظ کا ذکر نہیں: البقرہ: ۲۲۱، ۲۳۲، ۲۳۴، ۲۳۷ النساء: ۳-۲، ۶، ۲۵؛ النور:۳۲، الممتحنہ: ۱۰ الطلاق:۴۔

البقرہ: ۲۲۸ میں بتا یا گیا ہے کہ انصاف کی رو سے مردوں پر عورتوں کے وہی حقوق ہیں جو مردوں کے عورتوں پر ہیں۔ تاہم مرد ایک در جہ بہتر ہیں۔

البقرہ ۲۲۲ میں حیض کی نجاست کا ذکر ہے ۔

البقرہ ۲۲۳ میں خاوندوں سے خطاب ہے۔ عورتوں کی مثال کھیتی سے دے کر انہیں نصیحت کی گئی ہے کہ وہ اپنی کھیتی میں جب اور جیسے چاہیں جائیں۔

الزخرف۱۹-۱۶ میں مؤنث خداؤں کی عبادت کا ذکر ہے ان کا انسانی معاملات سے تعلق نہیں۔

عدل کے بدلتے تصورات

عدل اسلام کی مرکزی قدر ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ عدل کے فہم میں تبدیلی آئی ہے۔ مسلم عائلی قوانین کے بارے میں اختلاف کا سبب عدل کے بارے میں دو انتہائی مختلف تصور ہیں۔ ایک تصور وہ ہے جو قدیم دور کی قانونی فکر میں موجود تھا اور قدیم فقہ اسلامی کے احکام میں صنف، مذہب اور سماجی مرتبہ کی بنیاد پر امتیاز کا جواز فراہم کرتا نظر آتا ہے۔ دوسرا جو عدل کے جدید فہم پر مبنی ہے اور مساوات کو لازمی قرار دیتا ہے۔

زینہ انور اور ملایشیا کی دوسری کئی خواتین جن کی تربیت بطور مسلمان عدل الٰہی کے عقیدے پر ہوئی تھی یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھیں کہ خدا عورتوں پر کسی بھی قسم کے ظلم، نا انصافی اور تشدد کی حمایت کر سکتا ہے۔ ان خواتین نے ۱۹۸۰ میں ''سسٹرز ان اسلام'' (خواہران اسلام) کے نام سے ایک جماعت تشکیل دی۔ تین دہائیاں گذر گئیں لیکن وہ یہ بات نہیں بھول سکیں کہ اس وقت کے مسلم حکام اس پر مصر تھے کہ مرد کو بیوی کو زدو کوب کرنے اور دوسری شادی کرنے کا حق خدا نے دیا ہے۔وہ یہ کہ کے بھی ڈراتے تھے کہ دوزخ عورتوں سے بھری ہوگی کیونکہ وہ سر ننگا رکھتی ہیں اور خاوندوں کی نافرمان ہیں۔

زینہ انور بتاتی ہیں کہ جب ان خواتین نے خود قرآن کا مطالعہ کیا تو انہیں یقین ہو گیا کہ اسلام عورتوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اس ظلم کا سبب قرآن کی وہ تفسیریں ہیں جو پدرسری سماجی رواج اور اقدار کے زیر اثر لکھی جاتی ہیں۔

اسی طرح مصری خواتین کی غیر سرکاری تنظیموں پر شرف الدین کی حالیہ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سی مذہبی ذہن رکھنےوالی خواتین جہاں عورتوں کے ان مطالبات کو رد کر تی ہیں جن کے بارے میں انہیں یقین ہے کہ قرآن ان کی حمایت نہیں کرتا۔ تاہم وہ ان مذہبی دعووں کو بھی رد کرتی ہیں جو انسانی حقوق اور شرف انسانی کے موجودہ مسلم شعور کے خلاف ہوں۔ یہ قدیم تصورات اب اصلاً بدل چکے ہیں۔

متناسب انصاف سے مساوی عدل تک

محسن کادیوار لکھتے ہیں کہ دور جدید سے پہلے خواتین کے حقوق کو جس تصور کی بنیاد پر محدود کر دیا گیا تھا اسے ار سطو کے سیاسی فلسفے کی تائید حاصل تھی اور اس فلسفے کی رو سے نامساوی اور کمتر لوگوں کو مساوی حقوق دینا عدل نہیں ظلم تھا۔ارسطو کے بقول لوگوں کو حقوق ان کی استعداد، قابلیت اور کام کی اہلیت کے مطابق دینا چاہییں۔ صنفی اور سماجی امتیازفطری اصول ہے۔ اس اصول کو صدیوں تک صرف مسلمان ہی نہیں ساری دنیا صحیح اور عقلی معیار کے مطابق سمجھتی رہی۔ خواتین، غلام اور غیر مسلموں کو بالترتیب اسی اصول کے تحت مردوں، آزاد انسانوں اور مسلمانوں کے مقابلے میں کمتر قرار دیا گیا۔

آج کے دور میں حقوق، عدل، استحقاق، اور عدل پر مبنی قانون اور عمل سب کے مفہوم بدل گئے ہیں۔ اب انسان کو حقوق محض اس کے انسان ہونے کی بنا پر حاصل ہیں۔ان کی عزت و تکریم مساوی ہے کیونکہ پیدائشی طور پر سب انسان ہیں۔ عزت و تکریم کی وجہ صنف یا سماجی درجہ بندی نہیں بلکہ صرف انسان ہونا ہے۔

اس نقطہ نظر کے حق میں عقلی دلائل کے رواج کی وجہ سے مذہبی فکر نے پرانی بحث چھیڑ دی ہے کہ کیا عقل صحیح اور غلط کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ تاہم بہت سے مسلم علما کا کہنا ہے کہ جدید فہم اور اسلام کی مساواتی روح میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ مساوات قرآنی تعلیمات سے بھی مطابقت رکھتی ہے کیونکہ قرآن واضح الفاظ

میں بیان کرتا ہے کہ مرد اور عورت ایک ہی نفس سے پیدا کئے گئے ہیں اور دونوں مساوی طور پر حقوق و فرایض کے پابند ہیں (ملاحظہ ہو خانہ ۲)۔

ہم عصر مسلم فقہا نے بہت سے مسائل میں قدیم فقہی آرا کو مسترد کر دیاہے۔ مثلاًغلامی اب کسی کو قبول نہیں۔لیکن صنف کا معاملہ ابھی متنازعہ ہے۔قدیم نظام مرد اور عورت کی طبیعتوں میں اختلاف کے جس تصور پر قائم تھااسے اب شواہد اور زندگی کے حقائق کی تائید حاصل نہیں۔ تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ اگر ایک ہی طرح کی تعلیم اور یکساں مواقع ملیں تو خواتین معاشرے میں وہ سارے کردار ادا کر سکتی ہیں جو مرد کر رہے ہیں۔

اختلاف اور مساوات

آج کے دور میں مساوت انسانی کو عدل کے قیام کے لئے لازمی سمجھا جاتا ہے۔تاہم افراد کے درمیان فرق اور اختلاف کے ہوتے ہوئے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے سب سے عادلانہ طریق کار کیا ہو اس پر بات ہو سکتی ہے۔انور ایمن کے بقول مساوات میں بظاہر تضاد سے مراد محض مساوی سلوک نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جب مختلف اشخاص کے ساتھ مساوی سلوک غیرعادلانہ نتائج پیدا کرے تو ان سے مختلف سلوک بھی عدل کہلائے گا۔اب سوال یہ ہے کہ اختلاف کی بنا پر مختلف اشخاص سے مختلف قانونی سلوک کبھی عادلانہ اور کبھی امتیازی کیوں کہلاتا ہے؟ مسلم دنیا اور اس سے باہر مسلم خواتین کے لئے یہ سوال بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔جو لوگ اس ضمن میں مختلف اصولوں کے قائل ہیں وہ اب بھی ان سوالات پر بحث کر رہے ہیں۔رسمی مساوات کے حامی صنف کے بارے میں غیر امتیازی قانون سازی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔حقیقی مساوات کے حامی اس پر اصرار کر رہے ہیں کہ قانون میں عورتوں کو یکساں موقع اور یکساں نتائج کی ضمانت فراہم کی جائے۔ بحث کا ایک پہلو مثلاً یہ بھی ہے کہ خواتین کے معاملے میں مثبت امتیاز کی حکمت عملی اپنائی جائے اور عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں زیادہ حقوق دے کرصدیوں سے جاری منفی امتیاز مداوا کیا جائے تب جا کرمرد اور عورت میں حقیقی برابری ممکن ہو گی۔ مثلاً خواتین کو حمل اور بچے کی پیدائش کے دوران جان کے خطرے اور وقت کا معاوضہ دیا جائے۔

یہ کہنا غلط ہے کہ کے معاملے میں عدل کے لئے صنفی مساوات کے قانون کے لئے آج کا مسلمان باہر سے بنے بنائے قانونی حل درآمد کر رہا ہے۔مختلف سماجی اور ثقافتی سیاق میں مساوات کے مطالب کی تفصیلات پر ابھی کام باقی ہے۔ سادہ لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ ایسے مسلم عائلی قوانین تشکیل دئے جائیں جویکساں اور نا قابل تبدیل ہوں۔ ایک قانون جو ایک سیاق میں عدل کی ضمانت ہو وہی قانون ایک دوسرے سیاق اور زمانے میں ظلم کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

مختلف سماجی اور ثقافتی سیاق میں مساوات کے مطالب کی تفصیلات پر ابھی کام باقی ہے۔ سادہ لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ ایسے مسلم عائلی قوانین تشکیل دئے جائیں جویکساں اور نا قابل تبدیل ہوں۔

مثال کے طور پرمصر میں خواتین کی غیر سرکاری تنظیمیں جانتی ہیں کہ قانون میں مکمل مساوات کے نتیجے میں محض مرد ہی اختیارات سے محروم نہیں ہوتے اس سے شادی بیاہ میں عورتوں کی شرائط منوانے کی اہلیت بھی کمزور ہو جاتی ہے۔کیونکہ مکمل مساوات عورت کو بعض نسوانی استحقاق جیسے نفقہ اور مہر سے محروم بھی کر سکتی ہے۔ خواتین کو نفقہ کے بدلے مرد کی اطاعت کے فریضے پر تو شدید اعتراض ہے لیکن ان غیر سرکاری تنظیموں نے مرد کے نفقہ کے فریضہ کے خلاف کبھی احتجاج نہیں کیا۔ جیسا کہ شرف الدین نے ذکر کیا ہے کہ مساوات کے بظاہر تضاد کو دور کرنے کا ایک راستہ یہ بھی ہے کہ ان سماجی اور معاشی کٹھن حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے جو مصری خواتین کو در پیش ہیں مثبت امتیازی تدابیر کے ذریعے اس حقیقی مساوات کو یقینی بنا یا جاسکتا ہے۔دراصل جہاں عدل کا تصور بدلا ہے وہاں اس کے حصول کے سماجی حالات بھی بدل گئے ہیں۔

مزید مطالعہ کے لئے

[مندرجہ ذیل تمام مقالات مسلم عائلی قوانین میں صنفی مساوات میں موجود ہیں]۔

- On old and new understanding of justice: Mohsen Kadivar, "Revisiting Women's Rights in Islam"; Hassan Yousefi Eshkevari, "Rethinking Men's Authority over Women".
- On Malaysia: Zainah Anwar, "From Local to Global".
- On Egypt, Marwa Sharafeldin, "Egyptian Women's Rights NGOs".
- On difference and equality: Anver E. Emon, "The Paradox of Equality and the Politics of Difference". (all in GEMFL)

عدل کی بدلتی سماجی شرائط

جدید دور کی قومی ریاست میں جہاں مرد اور عورت دونوں شہری کی حیثیت سے رہتے ہیں ایک بر سر روزگار خاتون کو ایسے قوانین عدل فراہم نہیں کر سکتے جو قبائلی یا خاندانی رشتوں پر مبنی معاشروں میں کارفرما عدل کے تصورات کی روشنی میں تشکیل دیے گئے ہوں۔

فقہی قوانین کی ابتدا قبائلی معاشرے میں ہوئی، ایسی معاشرت جس میں سماجی نظام کی بنیاد خونی رشتوں پر قائم ہوتی تھی۔ قبیلہ یا خاندان ہر رکن کے حقوق اور سلامتی کے ضامن ہوتے تھے۔ قبیلہ سے باہر کے لوگ غیر کہلاتے اور حلیف کی حیثیت سے قبیلے یا خاندان کے رکن شمار ہوتے تھے ۔سماجی درجہ بندی کی سختی سے پابند ی کرتے ہوے عمر، صنف اور رشتوں کے لحاظ سے حقوق کا تعین ہوتا تھا۔قرآن مجید کی بہت سی آیات میں انسانیت کی بنیاد پران امتیازی اور پدر سری رواجات کی اصلاح کا عندیہ پایا جاتا ہے۔ لیکن فقہ کی تشکیل کے دور میں جب بدوی کی جگہ حضری ماحول میں قبائلی رشتے کمزور پڑنے لگے تو فقہا نے مساوات کے مقابلے میں پدرسری امتیازی رواجات کومضبوط کرنا بہتر سمجھا۔مثلاً قبائلی ماحول میں شادی بیاہ کے معاملات میں دولہا اور دولہن کے مفادات کی حفاظت کے لئے ولی یانگران رشتہ دار کو ضروری سمجھا جاتا تھا۔ محمد خالد مسعود کا کہنا ہے کہ ولی نکاح ایک لحاظ سے صنفی مساوات کے لئے تھاتاکہ وہ صنفی لحاظ سے کمزورعورت کے حقوق کی حفاظت کو یقینی بنائے۔ تاہم اگرایک طرف یہ اقدام توازن فراہم کرتا تھا تودوسری جانب یہ درجہ بندی بھی پیدا کرتا تھا۔

آج کی دنیا میں شہریوں کی حفاظت اور ان کے مساویانہ حقوق کا غیر جانبداری سے تحفظ ریاست کی ذ مہ داری ہے۔ سماجی اور سیاسی نظام میں اس ہمہ گیر تبدیلی نے اہل علم کو اس بات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ وہ فقہ کے ان قواعد پر نظر ثانی کریں جو قبائلی معاشرت کے مرہون منت ہیں۔

قانون کی نظر میں مساوات کے جدید تصور اور سماجی طبقات کے لحاظ سے حقوق کی بنیاد پر عدل کی بجائے ہر فرد کے مساوی حقوق کے اصول نے بھی والدین کے کردار میں تبدیلی پیدا کردی ہے۔ ان حالات میں ولایہ اور قوامہ کے تصورات صنف نازک کے حقوق کے تحفظ کی بجائے عدل کی راہ میں رکاوٹ بن کر رہ گئے ہیں۔ مثلاً ان تصورات کو بنیاد بنا کروالدین اور عدالتیں ایسے نکاح کو منسوخ کر سکتی ہیں جو ایک بالغ، قانونی اہلیت کی حامل خاتون نے اپنی مرضی سے کیا ہو۔انہی تصورات کا غلط استعمال کرتے ہوے خواتین کی مرضی کے بغیر ان کی جبری شادی کر دی جاتی ہے۔

بر سر روزگار خواتین

مصر، ایران، مراکو، اور فلسطین میں عدالتی مقدمات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان ممالک میں عملاًایسی شادیوں کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے جن میں ملک میں نافذ عائلی قانونی ضابطے میں درج اسلامی نکاح کی قانونی شکلوں کی پابندی نہیں کی جاتی۔ قدیم فقہ اس مفروضے پر کام کرتی ہے کہ خاوند گھر کے اخراجات کا ذمہ دار ہے اور بیوی اقتصادی طور پر اس کی محتاج اور اس کی اطاعت کی پابند ہے۔ اصل زندگی میں ضروری نہیں کہ صرف خاوند ہی گھر کے اخراجات کا بوجھ اٹھا تا ہو۔کھیتوں میں کام ہو، دستکاری اور صنعت و حرفت ہو،تجارت ہو یا گھر یلو انتظام و انصرام،عورت اپنی استعداد کے مطابق ہر کام میں ہمیشہ برابر کی شریک رہی ہے۔

بعض لوگوں کا موقف ہے کہ خاوند اور بیوی کے مابین فرائض اور حقوق کی فقہی تقسیم قدیم زمانے میں مناسب توازن قائم رکھتی ہوگی۔مرد کما کر لاتا تھا اور بیوی فرمانبرداری کرتی تھی۔ آج کی برسر روزگار عورت فقہی اصول کی بنا پر خاوند کی اطاعت کو نا انصافی سمجھتی ہے۔ خاص طور پر جب اسے وہ حقوق بھی نہ دئے جائیں جو فقہ تسلیم کرتی ہے۔ مثلاً مرد کو طلاق کا حق اس لئے دیا گیا تھاکہ گھر کے اخراجات مرد اٹھاتاہے۔ آج گھر کا معاشی بوجھ عورت نے اٹھایا ہوا ہے تو اسے بھی یہ حق ملنا چاہئے۔ یکطرفہ طلاق مساوات کے جدید تصور کے بھی منافی ہے اور قرآن مجید میں دی گئی نکاح کی تعریف پر بھی پورا نہیں اترتی جو اسے باہمی تعاون ور شراکت داری بیان کرتا ہے۔

اگر مرد وں کو ‘اس بنا پر کہ وہ اپنی دولت میں سے خرچ کرتے ہیں’ سربراہی کا اختیار حاصل ہے تو یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ جب عورتیں کما کر لاتی ہوں اور خاندان کی دیکھ بھال میں حصہ لیتی ہوں تو ان کو بھی خاندان کی حفاظت اور سربراہی کا اختیار ہوگا۔ خواتین کی جماعتو ں اور مطالعاتی جائزوں کی رو سے جو اس کتاب میں پیش کئے گئے ہیں وہ اس بات کا مطالبہ نہیں کر رہیں کہ صنفی کردار کو الٹ دیا جائے اور پرانے قوامہ کے تصور کی بنیاد پرگھر میں اختیار اسے دیا جائے جو کما کر لاتا ہو۔ بلکہ وہ یہ تقا ضا کرتی ہیں کہ خاوند اور بیوی کو قانون میں مساوی درجہ دیا جائے، باہمی ذمہ داری دی جائے جو اس مودت اور رحمت کامظہر ہوجو قرآن (الروم: ۲۱) کے مطابق اللہ نے ان کو دلوں کو بخشی ہے۔

مزید مطالعہ کے لئے

- On wilaya and qiwama as protection in the tribal context, see Muhammad Khalid Masud, "Gender Equality and the Doctrine of Wilaya"; Faqihuddin Abdul Kodir, "Gender Equality and the Hadith of the Prophet Muhammad", both in GEMFL.
- On the gap between legal model and marriage practices, see Mir-Hosseini, "Justice, Equality and Muslim Family Laws"; Al-Sharmani, "Qiwama in Egyptian Family Laws", both in GEMFL. On issues of parental authority, see again Khalid Masud, "Gender Equality and the Doctrine of Wilaya".
- See also: Ziba Mir-Hosseini, *Marriage on Trial: A Study of Islamic Law* (London and New York: I.B. Tauris, 2002); Nahda Shehada, "House of obedience: social norms, individual agency, and historical contingency", *Journal of Middle East Women's Studies* 5/1 (2009), pp. 24-49; Lynn Welchman, *Beyond the Code: Muslim Family Law and the Shar'i Judiciary in the Palestinian West Bank* (The Hague: Kluwer Law International, 2000).

قانون میں تبدیلی کی گنجائش

امتیازی عائلی قوانین کے حامیوں کا دعوی ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ان قوانین کی تمام دفعات اللہ کی نازل کردہ ہیں اور تبدیل نہیں ہو سکتیں۔تاہم جدید تحقیقات نے ان قوانین کے بارے میں چار ایسی اہم خصوصیات کی نشاندہی کی ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ عائلی قوانین انسانوں کے وضع کردہ ہیں اور اسی لئے بدلتے سماجی حالات اور دین کے جدید مفاہیم کی روشنی میں ان قوانین میں تبدیلی کی گنجائش ہے۔

پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ جدید مسلم عائلی قوانین روایتی اسلامی قانون یعنی فقہ سے ماخوذ ہیں لیکن انہیں فقہ کا درجہ حاصل نہیں۔فقہ مسلم علما اور فقہا کی علمی کاوشوں کا نام ہے جب کہ جدید عائلی قوانین جدید قومی ریاستوں کے قانون ساز اداروں نے برسر قتدار سیاسی قوتوں کی مرضی کے مطابق موضوعات منتخب کرکے بنائے ہیں۔ قانون سازی کے اس عمل کے دوران وہ لچک ختم ہو گئی ہے جوروایتی فقہ میں اختلاف رائے کی وجہ سے موجود تھی۔ یہ لچک بعض اوقات خواتین کے فائدے میں ہوتی تھی۔

دوسری خاص بات فقہ اور شریعہ میں فرق کا اعتراف ہے۔ شریعہ اللہ کا نازل کردہ قانون ہے۔ اس لئے فقہ کو شریعہ کا مقام نہیں دیا جاسکتا۔ فقہ کے لفظی معنی سمجھنے کے ہیں اور فقہ شریعہ کی انسانی سمجھ پر مبنی ہے جو غلطی سے پاک نہیں ہو سکتی۔ فقہ کلام الہی کے مقصد کو ایک محدود حد تک سمجھ سکتی ہے۔سچ تو یہ ہے کہ آج کا مسلمان یہ سمجھنے میں حق بجانب ہے کہ قرون وسطی کے پدر سری تصورات شریعہ کے اعلی اصول و مقاصد سے مطابقت نہیں رکھتے۔ (ہم نے تمہید میں ابن قیم الجوزیہ سے جو اقتباس پیش کیا تھا اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے)۔

فقہی احکام کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ مسلمان علما ہمیشہ سے عبادات اور معاملات کے فقہی احکام میں یہ فرق بیان کرتے آئے ہیں کہ عبادات کے احکام اللہ اور انسانوں کے درمیان تعلق کے بارے میں ہیں اور معاملات انسانوں کے مابین سماجی لین دین سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہذا فقہا اس بات پر زور دیتے رہے ہیں کہ جہاں عبادات میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں کیونکہ ان میں انسانی تجربے کو دخل نہیں، وہاں معاملات کے احکام میں زمان و مکان کے تقاضوں کے مطابق اجتہاد سے کام لیتے ہوے تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔نکاح وطلاق اور عائلی قوانین کے مسائل بھی معاملات کے دائرے میں آتے ہیں۔

جدید عائلی قوانین میں تبدیلی کے قانونی جواز کے لئے قانون سازوں نے فقہ کے وسیع ذخیرے سے استفادہ کیا ہے۔ فقہی کتب میں شادی بیاہ اور خاندانی زندگی پر بہت تفصیل سے بحث ملتی ہے۔اصلاحات کے مخالف لوگ معاملات اور عبادات میں فرق نہیں کرتے۔ اسی لئے وہ عائلی قوانین کو اہم ترین دینی مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ مثلاً کثرت ازدواج کے معاملے کا دفاع ایسے کیا جاتا ہے جیسے وہ کوئی عبادت کا حکم ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا فقہ کا ہر حکم ہر جگہ اور ہر زمانے میں یکساں اہمیت رکھتا ہے؟

اصول فقہ میں جو قریب ایک ہزار سال سے موجود ہیں ایک چوتھی خصوصیت کا ذکر بھی ملتا ہے۔ وہ یہ کہ شریعت کے احکام بلا مقصد نہیں۔ یہ انسانوں ہی کی بھلائی کے لئے نازل ہوے ہیں۔یہ مقاصد ہی اسلامی قانون کا معیار ہیں۔ جدید علمی مباحث میں مقاصد کے معیارات کی نشاندہی کی گئی ہے جن کی مدد سے ہم مقامی اور عارضی احکام کو ان احکام سے الگ کر سکتے ہیں جو بنیادی، ابدی اور کلی اہمیت کے حامل ہیں۔

اسلامی احکام کے تین مدارج

مقاصد شریعت کا نظریہ امام الغزالی (م ۱۱۱۱ء) اور امام شاطبیؒ (م ۱۳۸۸ء) نے پیش کیا۔ انہوں نے احکام کے نفاذ کے اعتبار سے شریعت کے مقاصد کو تین مدارج میں تقسیم کیا: ضروریات، حاجیات، اور تحسینیات۔ ان اصطلاحات کا صحیح ترجمہ مشکل ہے۔ اور ان کو محض لغت سے نہیں سمجھا جا سکتا۔

شاطبیؒ کے اتباع میں، البتہ اس کے استدلال کو جدید الفاظ میں بیان کرتے ہوے محمد خالد مسعود نے ان تین مدارج کو تین ہم مرکز دائروں کی شکل میں پیش کیا ہے۔ مرکزی دائرہ ان امور پر مشتمل ہے جو تمام انسانی معاشروں میں مسلمہ ہیں۔ دوسرے دائرے میں وہ قانونی امور ہیں جو مرکزی دائرے کی بنیادی ضرورتوں کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ تیسرے اور آخری دائرے میں وہ سماجی اور ثقافتی امور شامل ہیں جو دوسرے دائرے کے قانونی امور کو سماجی سیاق مہیا کرتے ہیں تاکہ قانون معاشرے میں قابل قبول رہے۔ ان کو مندرجہ ذیل شکل (نمبر ۲) میں تین ہم مرکز دائروں کی صورت میں دکھایا گیا ہے۔

شاطبیؒ کے ہاں خاندان کا تحفظ مرکزی دائرے میں بنیادی اور فطری ضرورت کے طور پر داخل ہے۔ قانونی احکام مثلاً نکاح کے ضابطے، طلاق اور وراثت کے قوانین جو خاندان کے ادارے کی حفاظت کے لئے درکار ہیں دوسرے دائرے میں آتے ہیں۔ یہ احکام بجائے خود مقصود نہیں لیکن ان کے بغیر خاندان کو تحفظ نہیں دیا سکتا۔ تیسرا دائرہ سماجی ترجیحات کا ہے جس میں کفو یعنی خاوند اور بیوی کا سماجی طور پر ہم پلہ ہونا، مہر مثل یعنی رواج کے لحاظ سے مناسب مہر کا تعین، وہ ترجیحات ہیں جو قانونی احکام کو مقامی ثقافت میں رسوخ مہیا کرتے ہیں۔ خالد مسعود کے بقول یہ رسوم و رواج اور سماجی ترجیحات کسی معاشرے کی زمانی اور مقامی تقاضوں سے تعلق رکھتی ہیں ان کو ابدی نہیں قرار دیا جا سکتا اور نہ ہی ان میں تبدیلی کو قانون کی مخالفت کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ ان پر اصرار سے دوسرا دائرہ یعنی خاندان کے ادارے کی بقا اور تحفظ کمزور پڑ سکتا ہے۔ تیسرے دائرے میں داخل

شکل نمبر ۲: اسلامی عائلی احکام کے تین مدارج بطور حفاظتی دائرے

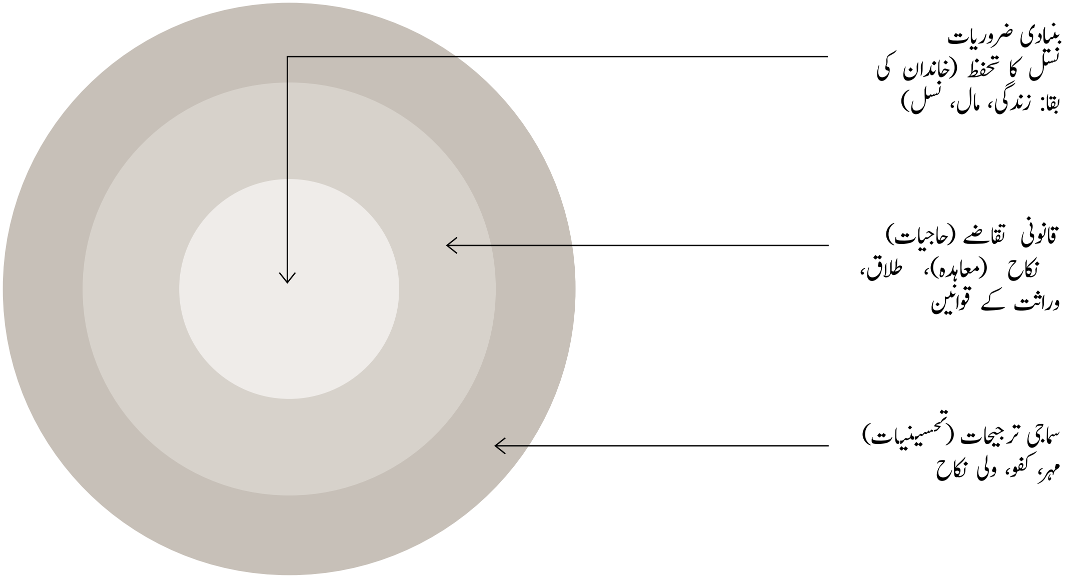

اقدار اور ترجیحات وقت کے ساتھ بدل سکتی ہیں اور نئ اقدار ان کی جگہ لے سکتی ہیں۔

مثال کے طور پر شاطبّی نکاح میں ولی کی شرط کو تیسرے دائرے میں شامل کرتے ہیں۔مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان حالات میں جہاں خواتین سماجی طور پر کمزور تھیں ولایت نکاح کا ادارہ ان کے حقوق کے تحفظ کا ضامن تھا۔ لیکن یہی ادارہ جب اپنے اصل مقصد کے برعکس استعمال ہونے لگے تو اس کی جگہ کسی دوسرے ادارے کا قیام عمل میں لایا جا سکتا ہے۔

مزید مطالعہ کے لئے

- On the purposes of Islamic law: Muhammad Khalid Masud, "Gender Equality and the Doctrine of wilaya" in GEMFL.

On maqasid, see also:

- Muhammad Khalid Masud, *Shatibi's Philosophy of Islamic Law* (Islamabad: Islamic Research Institute, 1995).
- Muhammad Hashim Kamali, "Law and Ethics in Islam: The Role of the Maqasid," in NDIT; Kamali, *Maqasid Al-shari'ah Made Simple* (London: The International Institute of Islamic Thought, 2008).
- Jasser Auda, *Maqasid Al-Shari'ah: A Beginners Guide* (London: The International Institute of Islamic Thought, 2008).
- On the impact of codification of family law, see also: Amira Sonbol (ed.), *Women, the Family, and Divorce Laws in Islamic History* (Syracuse: Syracuse University Press, 1996)

کتب مقدسہ سے استنباط کے نئے اصول

اسلام کی مقدس کتابوں یعنی قرآن اور احادیث نبوی کی تعبیر کرتے وقت علما ہمیشہ اپنے سماجی سیاق، اپنے زمانے کے مشہور مسلمات، اور اس دور میں عدل کے مفہوم کی روشنی میں احکام کا استنباط کرتے ہیں۔ یہ سب معیار ایسے ہیں جو بدلتے رہتے ہیں۔آج جب حقائق بدل گئے ہیں اورانصاف کے مفہوم میں بنیادی تبدیلیاں آ چکی ہیں مسلم مفکرین اسلام کی اخلاقی اور مساویانہ تعلیمات کی تلاش میں ان مقدس نصوص کا نئے سرے سے مطالعہ کر رہے ہیں۔ روایتی قانونی ضابطوں پر نظر ثانی کے لئے ایسے احکام کی ضرورت ہے جو مرد اور عورت کے لئے انصاف اور مساوات کی ضمانت دیں۔

لفظی طور پر دیکھا جائے تو قرآن اور سنت کے احکام مسلمانوں کی پہلی نسل کو ایسی زبان میں خطاب کرتے ہیں جسے وہ پوری طرح سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان احکام میں لوگوں کو اکثر اپنی عادات بدلنے کی دعوت دی جاتی تھی۔کلام الہی کی تفہیم کے لئے مفسرین نے انسانی علوم اور مسلمات کے قرون وسطی میں دستیاب وسیع ذخیرے سے پوری طرح استفادہ کیا ہے ۔یہ مقدس کتابیں مسلمانوں کی موجودہ نسل تک ان قدیم علما کی تہ در تہ تعبیروں میں ملفوف ہو کر پہنچی ہیں۔

حسن یوسف اشکواری کے مطابق قرآن کی تعبیر میں باہر سے لئے گئے جن مسلمات کو قبول کیا گیا ان میں یہ تصور بھی شامل تھا کہ مرد اپنی تخلیق میں عورت سے برتر ہے۔عورت کا تعلق شر سے ہے اس لئے اس کو قابو میں رکھنا ضروری ہے۔پدرسری کنبہ سماجی نظام کی بنیادی اکائی ہے اور یہ کہ ارسطو نے عدل کی تعریف یوں کی ہے کہ "ہر چیز کو اس کے مقررہ مقام پر رکھا جائے"۔ارسطو کے سماجی نظام میں انسانوں کو آزاد اور غلام طبقوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس کے بر عکس جدید علما نے اس بات پر زور دیا ہے کہ قدیم ہوں یا جدید، کتابوں اور ان کی تعبیرات سے استفادہ کرتے وقت ان کو ان کے سماجی سیاق میں پڑھنا اور سمجھنا ضروری ہے۔

مثال کے طور پر طاہر حداد (۱۸۹۹-۱۹۳۵) نے لکھا ہے کہ قرآن اور سنت کے احکام میں تدریج کے اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ مثلاً شراب کی ممانعت تدریجاً نازل ہوئی۔ اسلام کی نظر میں مکمل مساوات ایک اعلی ہدف تھا۔ تاہم رسول اللہ کی زندگی میں یا ساتویں صدی میں اس کا حصول ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ غلامی اور صنفی درجہ بندی دونوں کو برداشت کیا گیا۔ تاہم ان میں کسی حد تک اصلاحات کا آغاز کردیا گیا جن سے ہمارے لئے مکمل آزادی اور کامل مساوات کی سمت کی نشاندہی کر دی گئی۔ حداد نے یہ بھی بتایا کہ قانونی احکام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ احکام ہیں جو اسلام میں دین کی حیثیت سے لازمی ہیں۔ دوسرے وہ جو وقتی ہیں جیسے کثرت ازدواج جن کی مخصوص حالات اورزمانے میں اجازت دی گئی۔اس فرق کوواضح طور پر سمجھ کر ہی اصلاحات کا عمل صحیح سمت اختیار کرتا ہے۔

یہ مقدس کتابیں مسلمانوں کی موجودہ نسل تک قدیم علما کی تہ در تہ تعبیروں میں ملفوف ہو کر پہنچی ہیں۔

اسی طرح فضل الرحمن (۱۹۸۸-۱۹۱۹)نے قرآن کی ان تعبیرات پر جو قرآنی آیات سے پدر سری کا جواز فراہم کرتی تھیں تنقید کرتے ہوئے یہ دلیل دی کہ خواتین کے بارے میں قرآنی احکام در اصل اس جدو جہد کا حصہ ہیں جس کا مقصد خواتین کے خلاف بعض

ناانصافیوں کو دور کرکے اور ان کے حقوق میں اضافہ کرکے معاشرے میں کمزور طبقات کی مضبوط کرنا تھا۔مردوں اور عورتوں کے معاشی کردار ان کی صنف کا خاصہ نہیں۔ جوں جوں عورتیں تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور روزگار میں شریک ہوتی ہیں تبدیلی آتی جائے گی۔ قانونی اصلاحات کے ذریعے خواتین کو نکاح، طلاق اور وراثت کے حقوق میں مساوات دینا ضروری ہے۔

صنفی امتیاز کے حامی اکثر اپنے موقف کی تائید میں سیاق و سباق سے ہٹ کر آیات اور احادیث پیش کرتے ہیں اور دوسروں کو یہ دعوی کرکے خاموش کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ نصوص قطعیہ ہیں جن کی موجودگی میں اجتہاد کی اجازت نہیں۔

قرآنی اصولوں کو سمجھنے اور آج کے حالات میں ان کے مؤثر نفاذ کے لئے فضل الر حمن استنباط کا دوسمتی عمل تجویز کرتے ہیں۔ اس عمل میں پہلے موجودہ صورت حال سے قرآن کے زمانے میں جانا اور وا پس زمانہ حال میں آناپڑتا ہے۔ اس عمل کا آغاز وحی الٰہی کے سماجی تاریخی سیاق کے ادراک سے ہوتا ہے تاکہ ان مخصوص احکام کے پیچھے موجود بنیادی اصولوں، قدروں اور وسیع مقاصد کو دریافت کیا جاسکے۔فضل الرحمن کا استدلال یہ ہے کہ اس عمل کے بعد ہی مسلمان قرآنی اصولوں کو سمجھ کر ان کو قانون کا جامہ پہنا سکتے ہیں اورموجودہ سیاق کے مطابق آج کے مسائل کے حل کے مناسب وسائل اختیار کر سکتے ہیں۔

صنفی امتیاز کے حامی اپنے موقف کی تائید میں اکثر سیاق و سباق سے ہٹ کر آیات اور احادیث پیش کرتے ہیں اور دوسروں کو یہ دعوی کرکے خاموش کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ نصوص قطعیہ ہیں جن کی موجودگی میں اجتہاد کی اجازت نہیں۔مرحوم نصر حامد ابو زید (۲۰۱۰-۱۹۴۳) تاکید کرتے تھے کہ اصلاح معاشرہ کی جدو جہد میں مصروف لوگ ان دعووں سے مرعوب نہ ہوں۔ان کا کہنا تھا کہ قدیم زمانے میں ہی علما اس نتیجے پر پہنچ گئے تھے کہ نصوص قطعیہ ہیں بھی تو ان کی تعداد بہت محدود ہے۔ فقہا اپنے استنباط کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن سے حوالہ ڈھونڈتے تھے اسی لئے ان کا قرآنی مطالعہ آیات احکام میں محدود رہتا۔جب کہ قرآن وسیع مطالعے کا تقا ضا کرتاہے۔

ہم عصر اہل علم جنہوں نے صنف کے موضوع پر مقدس کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اخلاقی سطح کے مجموعی اصول دریافت کرنے اور احکام کے استنباط کے لئے قرآن کی احکامی اور اخلاقی جملہ آیات کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ ان احکام کو ان کے پورے سیاق و سباق میں سمجھا جائے۔ اس کی مثال قرآن میں عدل کا ہمہ گیر اصول ہے جو مردوں اور عورتوں دونو ں کے لئے ہے۔اسی طرح نکاح کا اصول ہے جو مشترکہ ذمہ داری کے لئے محبت پر مبنی تعلقات سے عبارت ہے۔ ان کے علاوہ مقاصد شریعت کے اصول ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا۔

حدیث کا مطالعہ

اسلامی فکر میں حدیث یعنی رسول اللہ کے افعال (اور شیعہ مسلک میں اماموں کے افعال) کواسلامی احکام کا اہم مصدر قرار دیا گیا ہے۔ خواتین کے بارے میں امتیاز ی سلوک کے جواز میں جو نصوص پیش کی جاتی ہیں وہ زیادہ تر حدیث سے تعلق رکھتی ہیں۔حال ہی میں بعض محققین نے ان نصوص کا جائزہ لیا ہے اور ان احادیث کی طرف توجہ مبذول کرا ئی ہے جو صنفی مساوات کی تعلیم دیتی ہیں۔ عرب معاشرت کے سماجی عوامل کی روشنی میں اس دور کے تاریخی مواد کا جائزہ لے کر ان علما نے حدیث کا سیاقی مطالعہ کیا ہے تاکہ ان بنیادی مقاصد (اسباب الورود) کا علم ہو سکے جو ان حالات و واقعات کے وقوع کا سبب بنے۔

نقد حدیث نئ بات نہیں۔علمائے حدیث نے قرون اولی میں ہی حدیث کی روایات کے انتخاب کے لئے نقد حدیث کے اصول وضع کر لئے تھے۔ انہوں نے حدیث میں چھان پھٹک کے لئے راویوں کے رد و قبول کے لئے جرح و تعدیل اور روایت کے سلسلوں (اسناد) اور متن کے رد و قبول کے معیار طے کرنے کے لئے اجتہاد سے کام لیا۔فقیہہ الدین عبد القادر کے بقول اس علمی روایت سے یہ بھی پتہ

چلتا ہے کہ جب کوئی حدیث اس معیار پر پوری نہ اترتی، یا قرآن کے خلاف ہوتی، یا عقلی معیار اور تاریخی حقائق کے بر عکس ہوتی تو صحابہ ایک دوسرے کی روایت کی ہوئی حدیث کو بھی رد کر دیتے تھے۔وہ لکھتے ہیں کہ علم الحدیث میں صنفی مساوات کی واضح مثال جرح و تعدیل کا یہ اصول ہے کہ حدیث کی روایت میں ذمہ داری اور عدالت کے حوالے سے مرد اور عورت میں فرق نہیں۔ ایک عورت کی روایت اور گواہی ایک مرد کے برابر سمجھی جاتی ہے جب کہ فقہ میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر شمار ہوتی ہے۔

قوامہ بطور اخلاقی ذمہ داری

گھر میں مرد کے ولی ہونے کے استحقاق کے جواز میں سورہ النساء کی آیت ۳۴ کے ساتھ ہی مندرجہ ذیل حدیث بھی پیش کی جاتی ہے:

میں نے رسول اللہ کو یہ کہتے سنا کہ تم سب ولی ہو اور اپنے ماتحت لوگوں کی اور اشیا کی ذمہ داری تم پر ہے۔رعایا کی ذمہ داری حکمران پر، خاندان کی ذمہ داری مرد پرہے اور وہ ان کے لئے جواب دہ ہیں۔ عورت اپنے خاوند کے گھر کی ذمہ دار ہے، ایک نوکر اپنےمالک کی مال اور جائداد کا ذمہ دار ہے۔

تاہم فقیہہ الدین عبد القادر بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کا لفظی کی بجائے سیاقی مطالعہ کیا جاے تو ولی کے حکم کا نیامفہوم سامنے آتا ہے۔ ولی کے اس مفہوم میں حکومت اور اقتدار کی بجائے ذمہ داری اور جواب دہی کے معنی پر زور ہے۔قوامہ کے اخلاقی مفہوم کو ترجیح دی گئی ہے کہ ہر شخص ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ ان کی ذمہ داری کی حدود متعین کر دی گئی ہیں۔ یہ بات بھی معلوم ہو تی ہے کہ ان حدود کا تعین حالات اور سماجی سیاق پر منحصر ہے۔ اس لئے ان میں تبدیلی کا امکان بھی سمجھ میں آتا ہے۔ یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ خاوند کی عدم موجودگی میں پورے خاندان کی ذمہ داری عملی طور پر بیوی پر عائد ہوتی ہے۔ آج جب خاوند اور بیوی دونوں گھر سے باہر کام کر رہے ہوں تو ذمہ داری کی حدود بھی اسی حساب سے بدل جاتی ہیں۔

خانہ نمبر ۲: قرآن میں صنفی مساوات

قرآن کی متعدد آیات میں صنفی مساوات کا مفہوم ملتا ہے
[انگریزی ترجمہ: یوسف علی، اردو ترجمہ: خالد مسعود]

مرد اور عورت تخلیق میں برابر ہیں(النساء: ۱، الحجرات: ۱۳)۔ آخرت اور نجات میں اہلیت میں برابری (النساء: ۱۲۳، آل عمران: ۱۹۵ ؛ النحل: ۹۷ ؛الاحزاب: ۳۵ ؛ غافر: ۴۰)۔

مرد اور عورت دونوں اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ دونوں کو اس زندگی میں اور آخرت میں برابر جزا و سزا ملے گی۔ (المائدہ: ۳۸ ،النور: ۲، ۲۶ ، ۳۱ ؛ الفتح:۶-۵، ۲۵ الحدید: ۱۳-۱۲)۔

مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کے رکھوالے ہیں۔اہم بات یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کو حقوق اور فرائض میں برابری اس لئے دی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی دیکھ بھال کریں اور نیکی کے حکم اور برائی سے روکنے کی ذمہ داری نبھائیں۔ ’’ایمان والے مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے رکھوالے ہیں۔ جو درست ہے اس کا حکم دیتے ہیں اور جو برا ہے اس سے روکتے ہیں‘‘ (التوبہ:۷۱)۔

ازدواجی زندگی مساوات اور محبت کا نام ہے

قرآن میں ازدواجی زندگی کو مساوات اور باہمی محبت کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ’’وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو‘‘ (البقرہ: ۱۸۷) ’’اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمھیں میں سے تمہارے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کے ساتھ سکون سے رہ سکو۔ اور یہ کہ اس نے تمہارے دلوں میں محبت اور رحم بھر دیا۔ یقیناً سوچنے والوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں (الروم: ۲۱)

باہمی رضامندی اور مشاورت

یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ بچے کا دودھ کب چھڑایا جائے ’’باہمی رضامندی اور مشاورت‘‘ کو ضروری قرار دیا (البقرہ: ۲۳۳)۔

زید مطالعہ کے لئے:

- On reading the Qur'an on multiple levels: Nasr Abu-Zayd, "The Status of Women Between the Qur'an and Fiqh".
- On hadith in general, and for the contextual reading cited above: Faqihuddin Abdul Kodir, "Gender Equality and the Hadith of the Prophet Muhammad".
- On the assumptions of medieval scholars: Hassan Yousefi Eshkevari, Rethinking Men's Authority over Women".
- On Fazlur Rahman and Al-Tahir al-Haddad: Ziba Mir-Hosseini, "Justice, Equality and Muslim Family Laws". (all in GEMFL)
- On hadith and gender, see also: Khaled Abou El Fadl, *Speaking in God's Name: Islamic Law, Authority and Women* (Oxford: Oneworld, 2001); Abou El Fadl, "Islamic Authority", in NDIT.
- On the Qur'an and gender, see also: Asma Barlas, *Believing Women in Islam: Unreading Patriarchal Interpretations of the Qur'an* (Austin: University of Texas Press, 2002): Barlas, "Hold(ing) fast by the best in the precepts'- The Qur'an and method", in NDIT; Amina Wadud, *Qur'an and Women* (Oxford: Oxford University Press, 1999).

اصلاح کے تین بنیادی اصول

مسلم خواتین کی تحریکیں تقوی اور مساوات کے مابین بظاہر ابہام کو دور کرنے کے لئے مذہب، حقوق اور حقیقی زندگی کو قریب لانے کی کوششوں میں مصروف ہیں

بہت سے مسلم علما اور سماجی کارکنوں کی اسلامی روایت سے وابستگی بہت گہری ہے۔ اس لئے وہ شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ قانون کی نظر میں صنفی انصاف اسلامی روایت میں اصلاح سے ہی حاصل ہو سکتاہے۔خواتین کے مسائل کے بارے میں مذہبی اور سیکولر طبقات میں جو دوری پائی جاتی ہے اسے کم کرنا ضروری ہے۔

مصر میں غیر سرکاری مذہبی تنظیموں سے لے کر ''مساوات'' تک جو خاندان میں برابری کی بین الاقوامی تحریک ہے، ایسے تمام سماجی کارکنوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اپنی جدو جہد میں مندرجہ ذیل تین حوالوں کو بیک وقت مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

- عملی زندگی میں مصروف مسلم خواتین کو درپیش حقیقی مسائل کا علم، غیر سرکاری تنظیموں کے تجربات سے استفادہ، سماجی حقائق کے ماہرین او ر سماجی علوم کے ماہرین سے مشاورت
- دین اسلام، مقدس کتب اور فقہی احکام کا گہرا مطالعہ
- سیڈا کے مرتب کردہ انسانی حقوق، بین الاقوامی قانون کی دیگر دستا ویزات، اور ملکی آئین کے بارے میں تفصیلی معلومات مسلم خواتین اسلامی روایت میں رہتے ہوئے پدرسری عائلی قوانین پر تنقید کرتی ہیں، اور مرد اور عورت کے مابین مساوات کا مطالبہ کرتی ہیں تو ان کو بھی شکوک و شبہات کا سامنا رہتا ہے:کیا وہ ان قوانین کی مخالفت کرکے جنھیں مقدس سمجھا جاتا ہے اچھی مسلمان رہ سکتی ہیں؟

تاہم عائلی قانون میں صنفی امتیاز نہ مسلمانوں سے مخصوص ہے نہ اسلام سے۔ تاریخی طور پر یہ تمام معاشروں کا مسئلہ رہا ہے۔ مساوی حقوق کے لئے خواتین کی جدو جہد ان مذہبی اور ثقافتی گروہ بندیوں سے بالا تر ہے۔

مسلم خواتین جو روایت میں رہتے ہوے پدرسری عائلی قوانین پر تنقید کرتی ہیں، اور مرد اور عورت کے مابین مساوات کا مطالبہ کرتی ہیں ان کو بھی شکوک و شبہات کا سامنا رہتا ہے:کیا وہ ان قوانین کی مخالفت کرکے جنھیں مقدس سمجھا جاتا ہے اچھی مسلمان رہ سکتی ہیں؟

حالیہ برسوں میں مسلم ممالک میں اصلاح کے مختلف راستے اختیار کئے گئے ہیں، مسلمان اصلاح پسندوں اور قدامت پسندوں میں جس طرح شدید اختلافات ابھرے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ موضوع کتنا ہی حساس کیوں نہ ہو، مسلم عائلی قوانین روز بروز زیادہ متنازعہ ہوتے جارہے ہیں۔ ان تنازعات کی وجہ نئے سماجی حالات بھی ہیں، مردوں اور عورتوں کے بارے میں نئے علمی انکشافات بھی ہیں، اور انصاف کے بارے میں نئ فہم بھی ہے۔ان کے ساتھ ساتھ اس

کا سبب ان قوانین کے تعلق سے روز مرہ زندگی کے تجربات میں پیش آنے والے وہ سنگین مسائل بھی ہیں جن میں قانون آج کے حقائق سے لاتعلق نظر آتا ہے۔تاریخی طور پر اسلامی قانون نئے حل قبول کرکے اور ضروری تبدیلیوں کے بعد انہیں اپنا کربہت سے نئے معاشروں کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرتا رہاہے۔ یہ حقیقت واقعی ہے کہ سواد اعظم سے تعلق رکھنے والے مسلم علما نے آج کے بین الاقوامی ماحول میں اسلامی اقتصادیات کے میدان میں بہت تیزی کے ساتھ جو نئے قانونی حل پیش کئے ہیں ان سے ان کی دقت نظر اور تخلیقی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ آج اگر بنکاری کے ماہرین کے پیش کردہ نئے اجتہاد قبول ہو سکتے ہیں تو مسلم خواتین اجتہاد کے اصول سے استفادہ کیوں نہیں کر سکتیں۔

مزید بر آں علما کے جن دلائل کا یہاں ذکر ہوا ان سے یہ بات واضح ہوئی ہے عائلی قوانین اور صنفی مساوات کے بارے میں کوئی ایک اسلامی موقف نہیں۔ ان موضوعات پر شدید اختلافات کرنے والے ان مقدس کتابوں پر مکمل ایمان رکھتے ہیں اور آج کی دنیا میں ان مقدس نصوص کو پورے اخلاص کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مسلم خواتین کی یہ جماعتیں عائلی قوانین میں اصلاح کے ذریعے مساوات کا تقاضا کرتی ہیں تو یہ بھی اسلامی روایت کے اندر رہتے ہوئے اپنا استحقاق مانگ رہی ہیں۔

زید مطالعہ کے لئے:

- Musawah Framework for Action, website, http://www.musawah.org.
- On Musawah: Zainah Anwar, "From Local to Global", in GEMFL.
- On Egypt: Marwa Sharafeldin, "Egyptain Women's Rights NGOs", in GEMFL.
- For an elaboration of the triple reference: Collectif 95 Maghreb-Egalité, *Guide to Equality in the Family in the Maghreb*, http://learningpartnership.org/guide-to-equality.
- Ziba Mir-Hosseini, 'Women in Search of Common Ground: Between Islamic and International Human Rights Law,' in Anver Emon, Mark Ellis, and Benjamin Glahn (eds), *Islamic and International Human Rights Law: Searching for Common Ground?* (Oxford: Oxford University Press, 2012).

ان موضوعات پر شدید اختلافات کرنے والے لوگ مقدس کتابوں پر مکمل ایمان رکھتے ہیں اور آج کی دنیا میں ان مقدس نصوص کو پورے اخلاص کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مسلم خواتین کی یہ جماعتیں عائلی قوانین میں اصلاح کے ذریعے مساوات کا تقاضا کرتی ہیں تو یہ بھی اسلامی روایت کے اندر رہتے ہوئے اپنا استحقاق مانگ رہی ہیں۔

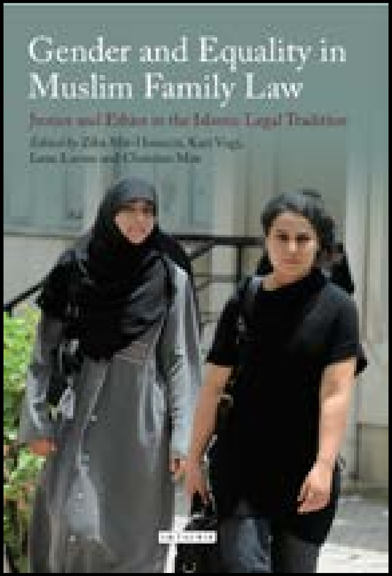

مسلم عائلی قوانین کے موضوع پر اوسلو معاونت کے تحقیقی منصوبے کا ایک جائزہ

اوسلو معاونت ایک بین الاقوامی رابطہ تنظیم ہے جس میں زندگی کے بارے میں مذہبی اور دیگر طرز فکر کی حامل جماعتوں سے وابستہ ماہرین، جامعات کے تحقیق و تدریس کے شعبوں سے اور غیرسرکاری تنظیموں، بین الاقوامی اداروں اور سول سوسایٹی سے منسلک خواتین و حضرات شامل ہیں۔ مجلس معاونت کا دفتر اوسلو یونیورسٹی میں قائم ہے جس کے اخراجات کے لئے مالی مدد ناروے کی حکومت فراہم کرتی ہے۔ یہ مجلس متعدد تحقیقی منصوبوں پر کام کر رہی ہے جن کا مقصد دنیا بھر میں مذہب/عقیدے کی آزادی کا فروغ ہے۔

اوسلو معاونت نے ۲۰۰۴ میں ''فکر اسلامی میں نئ جہات'' کے عنوان سے ایک منصوبے پر کام شروع کیا۔ اس ضمن میں چھ بین الاقوامی اجلاس منعقد ہوے جن کے نتیجے میں اسلامی روایت کے اندر رہتے ہوے اوسلو معاونت نے اصلاح کے اہم مسائل کے موضوع پر دو کتابیں شائع کیں۔

۲۰۰۷-۲۰۱۲ کے دوران ایک منصوبے میں مسلم عائلی قوانین میں مساوات کے مطالعہ کے لئے مختلف علوم کے مسلم ماہرین کو دعوت دی گئی۔ اس سلسلے میں مراکش اور قاہرہ میں تین بین الاقوامی اجلاس منعقد ہوے۔ ان مباحث کے نتیجے کے طور پر ''مسلم عائلی قوانین میں صنف اور مساوات'' کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی۔ یہ جائزہ اسی کتاب پر مبنی ہے۔

یہ جائزہ ان پالیسی سازاداروں، اصلاح کی حمایت میں کام کرنے والوں اور ان اصلاحات سے متعلق لوگوں کے لئے تیار کیا گیا ہے جو قانونی اصلاحات کی جد و جہد میں علمی دلائل جمع کرتے ہیں۔ اس جائزے میں ان تحریروں کا نچوڑ ہے جو اس کتاب میں شامل ہیں اور ان مباحث کا خلاصہ درج ہے جو ماہرین نے اجلاس کے دوران پیش کیں۔

اس رپورٹ میں کلیدی دلائل کو ایک مربوط انداز میں ترتیب دیا گیا ہے۔

www.jus.uio.no/smr/oslocoalition